اورینٹل کالج میگزین، جلد۹۸، شمارہ۱، مسلسل شمارہ:۳۶۷، سال ۲۰۲۳ء

ڈاکٹر سہیل احمد خاں بہ حیثیت داستانی نقاد

ثمینہ سیف، پی ایچ ڈی

اسسٹنٹ پروفیسر اُردو

گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج برائے خواتین سمن آباد، لاہور

DR. SOHAIL AHMAD KHAN AS A DASTANI CRITIC

Samina Saif, PhD
Assistant Professor of Urdu
Govt. Post Graduate College (W) Samanabad, Lahore

Abstract

Dr. Sohail Ahmad Khan is a renowned critic of Urdu Fiction. *Dastan ki Alaamti Kainaat* is his famous book in which he has tried to solve the symbolic mysteries of life and universe, stages of mortality and immortality, metaphysical phenomena, steps towards self-discipline, and other relevant fundamental and universal topics. Moreover, he has deeply delved into mythologies of different civilizations and cultures along with disciplines of Philosophy, Psychology, Religion, History, Sociology and Humanity in order to consolidate his critique, especially of Urdu Dastan.

Keywords:

Dr. Suhail Ahmad Khan, Symbolism, Urdu Criticism, Metaphysics, Psychology, Legends

علم و ادب کے حوالے سے یہ بات عام طور پر دیکھنے کو ملتی ہے کہ ہر عہد اپنے پیش رو عہد کے نظریات کی مکمل تائید نہیں کرتا ہے، ہر نئے عہد کو بدلتے وقت کے ساتھ مختلف تقاضوں اور علم و ادب کی بہتر سمجھ بوجھ اور تجزیاتی مطالعے کے وہ وسائل اور فنون میسر آتے ہیں جن سے استفادہ کرتے ہوئے اہلِ علم اپنے سے پیش رو علمی و ادبی نظریات کو وسیع تر معنوں اور مفاہیم سے روشناس کرواتے ہیں۔ بیسویں صدی کے نصف دوم میں جب مادیت اور عقلیت کے گہرے بادل چھٹے تو مفکروں کے انداز فکر و سوچ میں بھی تغیر آیا، انھوں نے قدیم ذہن کی اہمیت کو نئے علمی حوالوں سے اُجاگر کیا۔ اسی اثنا میں اساطیر، لوک کتھاؤں اور پرانے قصوں میں گم گشتہ معنویت کی تلاش میں نئے تجربے ہوئے اور کلاسیکی ادب کو منفرد زاویوں اور نئے خیالات و نظریات سے روشناس کروایا گیا۔ اُردو کی نثری داستانوں کے حوالے سے محمد حسن عسکری (۱۹۱۹۔۱۹۷۸ء)، عزیز احمد (۱۹۱۴۔۱۹۷۸ء)، جیلانی کامران (۱۹۲۶۔۲۰۰۳ء)، ڈاکٹر سہیل احمد خاں (۱۹۴۸۔۲۰۰۹ء) اور شمس الرحمن فاروقی (۱۹۳۵۔۲۰۲۰ء) جیسے جید نقادوں کے انقلاب انگیز تنقیدی خیالات نے جہاں ایک طرف قدیم تنقیدی تصورات کو زمین بوس کیا وہیں دوسری طرف منثور داستانی ادب کو خود اعتمادی اور تقویت بخشی۔ سہیل احمد خاں کو یہ تفوق حاصل ہے کہ انھوں نے نثری داستانوں کی باطنی سطحوں کا ادراک کرتے ہوئے اس میں موجود تمثیلی، استعاراتی اور علامتی معنویت کو اُجاگر کیا ہے، ان سے قبل نثری داستانی ادب کی تنقید کی ایک بڑی روایت تو قائم ہو چکی تھی جس میں کلیم الدین احمد (۱۹۰۸۔۱۹۸۳ء)، گیان چند جین (۱۹۲۳۔۲۰۰۷ء)، آغا سہیل (۱۹۳۳۔۲۰۰۹ء)، سہیل بخاری (۱۹۱۴۔۱۹۹۰ء)، معصوم راہی رضا (۱۹۲۷۔۱۹۹۲ء)، وحید قریشی (۱۹۲۵۔۲۰۰۹ء) اور سید وقار عظیم (۱۹۱۰۔۱۹۷۶ء) سمیت کئی نقادوں نے داستانی ادب میں معاشرتی حوالوں، واقعیت پسندی، پلاٹ، کردار اور اسلوب سمیت دیگر ادبی و فنی حوالوں کو اپنی تنقید کا موضوع بنایا۔ بلاشبہ مذکورہ بالا تمام نقادوں نے نہ صرف داستانی ادب پر چھائے ہوئے تعصبات کا خاتمہ کر کے زوال پسندی کے طعنے کو ختم کیا بل کہ اس قدیم ورثے کی عصرِ حاضر سے تطبیق بھی کی۔ چوں کہ داستان ایک مخصوص تصورِ کائنات کا اظہار کرتی ہے، اس لیے اس تصورِ کائنات کو ناول یا افسانے کی تنقیدی عینک سے دیکھنا سراسر زیادتی ہے، نیز داستان کے تصورِ کائنات کو سمجھے بغیر داستانی تنقید نامکمل رہے گی اور بے خبری میں ہم اپنے کلاسیکی ورثے کی ناقدری کرتے ہوئے اسے کم تر تصور کرتے رہیں گے۔

اُردو داستانی ادب کے بیشتر نقادوں نے خود کو بالعموم دانش گاہوں کی درسیات کے روایتی تنقیدی افق تک محدود رکھا ہوا تھا، ان کا تنقیدی دائرہ کار داستانوں کی تشریح، توضیح اور تفہیم کی منزل پر ہی ختم ہو جاتا تھا۔ جب کہ سہیل احمد خاں کا تنقیدی مزاج ان سے یکسر مختلف اور جدا تھا، وہ داستانی ادب کو وسیع اور ہمہ گیر تناظر میں دیکھتے ہوئے اس میں تاریخ و تہذیب اور مذہب و معاشرت کو باہم یک جا کر کے بصیرت افروزی کا سامان قرار دیتے ہیں اور ایسی ہی فکر انگیزی ان کی تحریروں سے عیاں ہوتی ہے۔ سہیل احمد خاں کا یہ موقف ہے:

> ''مختلف علوم کے نئے نظریات بھی سامنے آ چکے ہیں اس پس منظر میں داستانوں کی تنقید کو بھی نئی راہوں کی تلاش کرنی چاہیے۔ گہرے تہذیبی مطالعوں رمزی اور تمثیلی سطحوں اور قصوں کی مجموعی ساخت پر زیادہ غور ہونا چاہیے۔''(۱)

سہیل احمد خاں داستانی ادب کی تنقید کے وہ واحد نقاد ہیں جنھوں نے اپنے مقالے **داستانوں کی علامتی کائنات** میں تنقید کی نئی راہوں پر چلتے ہوئے گہرے تہذیبی مطالعوں کی مدد سے رمزی اور تمثیلی سطحوں پر داستانوں کی ساخت کو پرکھنے کے لیے ایک نیا اندازِ نظر پیش کر کے اس میں چھپی ہوئی بصیرتوں کی طرف توجہ مبذول کروائی۔ انھوں نے اُردو ادب کے قاری کو داستانوں کی گہری فکری سطحوں سے آشنا کرواتے ہوئے یہ باور کروایا ہے کہ ہمارے قصہ گوؤں نے تخیل کی اڑانوں میں جہاں قصے کی دل چسپی، رزم و بزم کے جان دار مرقعے، اسالیب کی رنگا رنگی اور معاشرت کی حقیقی تصویر کشی کی ہے وہیں انھوں نے ان داستانوں کی رمزی سطحوں میں حکمت اور تربیت نفس کے حوالے بھی جابجا بکھیرے ہیں۔ **داستانوں کی علامتی کائنات** تین ابواب پر مشتمل ہے۔ انھوں نے پہلے باب ''ہیرو'' کے عنوان کے تحت **آرائشِ محفل** کے ہیرو حاتم طائی کی سات مہمات کا پورا سفر علامتی قرار دیتے ہوئے اسے تربیت نفس کے مختلف مدارج کا بیانیہ کہا ہے۔ انھوں نے گل گامیش سے اوڈیسیس اور حاتم تک مختلف ثقافتوں میں علم بشریات اور نفسیات کے مختلف نقطہ ہائے نظر سے ہیروز کی مختلف شکلوں کو غیر معمولی صلاحیتوں اور کارناموں کے مماثل بنیادی سانچے میں دیکھا ہے۔ وہ مختلف تہذیبوں میں تربیتِ نفس کے نظام کا تقابلی جائزہ لے کر ان ہیروز کو باہم مربوط اور مماثل پاتے ہیں۔

سہیل احمد خاں نے عقلی و منطقی استدلال سے حاتم طائی کی سات مہمات میں انفرادی سطح پر نفس و باطن کی اصلاح کے مدارج کے ضمن میں سلوک کے سات مراحل کو ڈھونڈا ہے اور اجتماعی سطح پر

ماضی وحال کے سرچشمہ خیال کے تلازمات کو کھول کر بیان کیا ہے۔ یہ سات مراحل فرید الدین عطار (۱۱۴۶۔۱۲۲۱ء) کی مشہور مثنوی **منطق الطیر** میں ہیں۔ انھوں نے حاتم کی مہمات میں جانوروں (نفس کے حیوانی درجے کی نشان دہی)، تالاب (لاشعور کی علامت)، غار (حیات نو کی معنویت کا حامل)، نازنین اور پریاں (خواہشات کی ترجمان)، آئینہ (خود پسندی)، عشق (خود پرستی کا خاتمہ)، خواجہ خضر (تائید غیبی)، اُجاڑ گاؤں اور ویرانی (وادی توحید)، لہو (غفلت کی علامت)، دریا (معرفت، وحدت، مشاہدے اور زندگی و موت کی علامت)، موتی (معرفت کا راز) اور حمام (دُنیا سے مماثل) جیسی رمزی علامتوں کو روحانی، نفسیاتی اور علمیاتی دائرے میں رکھ کر نئی تعبیرات دی ہیں۔ انھوں نے حاتم طائی کے کردار میں ایک ہیرو صفت انسان کی تعبیر و تشریح روحانی، مذہبی، سماجی، تہذیبی اور داخلی و باطنی حوالوں سے کرتے ہوئے علم و رموز کی مختلف تہوں کو کھولا ہے، داستانی ادب میں یہ تشریحی و توضیحی تنقیدی انداز سہیل احمد خاں کا خاصہ ہے۔ بلاشبہ انھوں نے داستانوں کو ظاہری سطح سے اُٹھا کر گہرے مطالب کی وسیع دُنیا سے ہم کنار کیا ہے۔ انھوں نے **آرائشِ محفل** کے حاتم کی ذات میں علامتی معنویت کی طرف توجہ منعطف کرواتے ہوئے لکھا ہے:

> ”اس مہم کو نفسیاتی سطح پر سمجھا جائے تو یہ فردیت کے حصول کی کہانی بن جاتی ہے... خالص عشقیہ کہانیوں کا مرکزی کردار عموماً خارجی دُنیا میں اتنا فعال نہیں ہوتا جیسا کہ داستانوں کا ہیرو ہوتا ہے... داستانوں کا ہیرو صرف سطح ہی پر سرگرم سفر نہیں ہوتا یہ باطن کے سفر کا بیان بھی ہے اور داستانوں میں تہذیب نفس کے وہ مراحل بھی پوشیدہ ہیں جن کے بغیر انسانی وجود کے اعلیٰ معانی تک رسائی نہیں ہوسکتی۔“(۲)

سہیل احمد خاں نے حاتم کے کردار کے پیش نظر انسانی زندگی کے جائزے میں تنقید اور تحقیق دونوں سے کام لیا ہے اور وہ اخلاقیات کے ساتھ زندگی کی معنویت کی جست جو و تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔ ایک ہیرو کا اتنا عمیق اور گہرا مطالعہ اور اس کے ساتھ غیر جانب دارنہ نقطہ نظر اُردو داستانی ادب کی تنقید میں خال خال ہی نظر آتا ہے۔

داستانوں کی علامتی کائنات کے دوسرے باب ”تبدیلی قالب“ میں انھوں نے **فسانہ عجائب**، **آرائشِ محفل** اور **مذہبِ عشق** کو اپنی تنقیدی بحث کا حصہ بنایا ہے۔ وہ جرمن ادب میں کافکا (۱۸۸۳۔۱۹۲۴ء) کے افسانے Metamorphosis، فرانسیسی ادب میں آئنسکو (۱۹۰۹۔۱۹۹۴ء) کے ڈرامے Rhinoceros، اُردو ادب میں انتظار حسین (۱۹۲۳۔۲۰۱۶ء) کے افسانے (کایا کلپ) اور لاطینی

ادب میں اووڈ کی نظم Metamorphoses میں "تبدیلی قالب" کی علامتی وارداتوں کو جدید وقدیم انسانوں کی صورتِ حال پر منطبق کرتے ہیں۔ اُردو داستانی تنقید میں "قلب ماہیت" کی واردات کو کم توجہ کا مستحق سمجھا گیا ہے۔ ہمارے نقادوں نے بالعموم داستانوں کو ایک معاشرتی دستاویز کے طور پر قبول کیا ہے اور ان میں موجود کایا کلپ یا تبدیلی ہیئت وغیرہ جیسے اہم اور مستقل عناصر کو خلاف عقل عناصر کہہ کر تجزیے کی حدود میں شامل نہیں کیا تھا۔ اس ضمن میں سہیل احمد خاں یہ موقف اختیار کرتے ہیں:

> "زیادہ سے زیادہ تناسخ کا حوالہ دیا جاتا ہے اور یہ بھی نہیں سوچا جاتا کہ یہاں کایا کلپ موت کے بعد نہیں زندگی میں رونما ہو رہی ہے نیز دُنیا بھر کی کہانیوں میں یہ موضوع کیوں آتا ہے۔ داستانوں میں ان کی معنویت کی سطح مختلف ہے۔ داستانوں میں کائنات کو علامتی اور تمثیلی اندازِ نظر کے ساتھ دیکھا گیا ہے اور مختلف تہذیبوں میں کہانیوں کی معنویت کا تربیتِ نفس کے کسی نظام سے گہرا تعلق ہے۔"(۳)

در حقیقت اُردو داستانی ادب کے اندر تبدیلی ہیئت کی جتنی شکلیں ہیں ان کا بنیادی مقصد سبق آموزی ہے تاکہ تربیتِ نفس کی بلند ترین سطح منکشف ہو سکے۔ "تبدیلی قالب" آزمائش کے تناظر میں سزا یا جزا کا تلازمہ بھی ہو سکتے ہیں جس سے روحانی مرتبہ کم یا بڑھ بھی سکتا ہے۔ بعض اوقات ہیرو لذت کوشیوں میں پڑ کر مقصد سے ہٹ جاتا ہے مگر تبدیلی قالب کے بعد وہ نئے جوش اور ولولے کے ساتھ منزل کی طرف رواں ہوتا ہے۔ سہیل احمد خاں نے جانِ عالم، حاتم طائی اور شہزادہ تاج الملوک کے کرداروں میں اس طرح کے واقعات کو علامتی و استعاراتی جان کر ذات کے نہاں خانوں میں چھپے خزینوں کی دریافت کی ہے۔

تیسرے اور آخری باب "طلسم" میں **داستانِ امیر حمزہ**، **بوستانِ خیال**، **الف لیلہ**، **طلسم ہوش ربا** اور **طلسم گوہر بار** کے تار و پود میں طلسماتی عناصر کو جلوہ گر پاتے ہوئے انھوں نے ان داستانوں کو ایک بے کراں تمثیلی کائنات کا نام دیا ہے۔ **داستانِ امیر حمزہ** میں طلسم پر سہیل احمد خاں کے علامتی و تمثیلی بیانیے کو سراہتے ہوئے شمس الرحمن فاروقی لکھتے ہیں:

> "داستان امیر حمزہ کے بارے میں خاص طور پر، ان کا نقطہ نظر مابعد الطبیعیاتی اور اسراری ہے۔ داستان امیر حمزہ کی تہ میں وہ اسراری اور متصوفانہ حقائق اور بصیرتوں کی کار فرمائی دیکھتے ہیں۔ اس طریق کار سے جو نتیجے نکلتے ہیں ان سے فرداً فرداً اختلاف کی گنجائش نہیں۔"(۴)

داستانی تنقید میں عموماً یہ عالم تھا کہ کسی نقاد نے ایک بات کہہ دی تو دوسرے تمام نقاد اسی خیال کو لے اُڑتے تھے اور اسی سمت میں سوچتے تھے، کوئی نیا رجحان اور کوئی نیا رستہ اور نیا رویہ بہت مشکل سے ملتا

تھا۔ طلسم کے حوالے سے بھی ہمارے ہاں وہی روایتی سوچ ہے، طلسم کو انسانی ذہن کا بچپن قرار دے کر اس میں اظہار کی مختلف شکلوں اور علامتوں کا روایتی فکر سے تجزیہ کیا گیا تھا لیکن سہیل احمد خاں نے نہایت عرق ریزی سے مشاہدہ کرتے ہوئے اُردو داستانی ادب میں طلسم کی علامت کو مابعد الطبیعیاتی نظام، کائنات اور انسان کی مثلث کے درمیان علامتی تعلق جان کر اسے سیر انفس و آفاق کی صورت تصور کر کے یہ لکھا:

> "طلسم کی علامت کی معنویت بے حد گہری ہے اور اس کی کئی سطحیں ہیں۔ طلسمات کے حوالے سے لکھی گئی نثری داستانوں اور روایتی شاعری میں کائنات کو نظر فریب طلسم کہا گیا ہے اور فتح طلسم کے مراحل دراصل معرفت کے حصول کے مراحل ہیں، کائنات میں انسانی زندگی کے مراحل طفلی، جوانی اور پیری طلسم در طلسم کے مشابہ ہیں اور انسان کا وجود خود ایک طلسم ہے اس طرح طلسم کی فتح دراصل باطن کی فتح ہے۔ اس علامت کے پس منظر میں حقیقت کا وہ تصور ہے جس پر روایتی ادب کی بنیاد ہے۔"(۵)

سہیل احمد خاں نے داستانوں کی سطحوں میں وہ موتی کھوج نکالے ہیں جن کے مقاصد اور وظائف تنقید کے روایتی میدانوں میں پژمردگی کا شکار تھے۔ انھوں نے نہ صرف **آرائشِ محفل**، **داستانِ امیر حمزہ**، **فسانہ عجائب** اور **مذہبِ عشق** جیسی لازوال اُردو داستانی ادب کا گہرا مطالعہ کیا ہے بل کہ انھیں عالمی کلاسیکی و جدید ادب کا فہم بھی ہے۔ انھوں نے اُردو داستانوں میں ہیرو، تبدیلی قالب اور طلسم جیسی علامات میں تربیت نفس اور انسانی زندگی کے اعلیٰ مدارج کی نئی تعبیرات کی ہیں اور ان علامات کو فارسی، جرمن، فرانسیسی، لاطینی، رومن اور انگریزی ادب کی تہذیبی بنت میں دیکھ کر اپنی رائے کو مدلل اور جامع انداز میں پیش کیا ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر ان کی تنقیدی صلاحیت اور وسعت مطالعہ کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ انھوں نے صحیح معنوں میں داستان کی تنقید میں ایک منفرد انداز نقد و نظر کا اضافہ کیا ہے جس میں تاریخی حقائق، تحقیقی نگاہ، جغرافیائی شہادتیں اور زمانی و مکانی حوالے سے مختلف تہذیبی قدریں اپنے حسین امتزاج کے ساتھ موجود ہیں۔ علاوہ ازیں انھوں نے سلیس زبان میں مختلف فکری و فلسفیانہ خیالات کو بہت خوب صورتی سے بیان کیا ہے۔ بلاشبہ ان کا مطالعہ بہت گہرا اور اثر آفریں ہے اور اسلوب رواں اور دل کش ہے۔

ان کے طرز بیان کی انفرادیت سے انکار کی گنجائش نہیں ہے، تحریر کی شگفتگی، زبان کی شیرینی اور بیان کی اثر آفرینی نے ان کے طرز نگارش کو فاضلانہ ہوتے ہوئے بھی دل کش بنا دیا ہے۔ انھوں نے اُردو کے اس قدیم ورثے کو جدید مزاج سے ہم آہنگ کر کے عقل و جذبے، شعور و لاشعور اور داخل و خارج کو ایک کلیت میں تحلیل کیا ہے۔ ان کے اس کلیاتی نظام میں تاریخ، بشریات، عمرانیات، فلسفہ اور نفسیات کے گہرے مطالعے نے ان کے تفکر و تعقل کو معروضی انداز عطا کیا ہے جس کے سہارے وہ داستانی ادب میں

تاریخی، تہذیبی، روحانی، انفرادی و اجتماعی اور ظاہری و باطنی حالات سے رمز آشنا ہوئے ہیں اور یہ تمام خصائص ان کے مقالے کی تاروپود میں شامل ہیں۔ سہیل احمد خاں کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ نثری داستانوں پر تنقید کرتے ہوئے جہاں مشرقی کلاسیکی دانش اور تفہیم سے استفادہ کرتے ہیں وہیں عصری آگہی کے تقاضے بھی پورے کرتے ہیں۔ ان کے تنقیدی خیالات میں مشرق کی روحانیت اور عرفان ذات سے طلوع ہونے والی بصیرت بہ درجہ اتم موجود ہے نیز علم الانسان اور نفسیات سمیت دیگر جدید سماجی علوم کے تنقیدی نظریات کا بھی چلن ہے۔ انھوں نے داستانی ادب کی تنقید میں شعوری ولاشعوری اور مذہبی وروحانی تصورات کی آمیزش سے ''تبدیلی قالب'' کے تصور کی خوب صورتی سے توضیح کی۔ روحانیت کا تحلیل و تجزیہ کرکے ''ہیرو'' کو مقصد معرفت کا وسیلہ سمجھا اور داستانوں کے دامن میں ''طلسم'' سے وابستہ تلمیحات اور استعارات کے عظیم ذخیرے کی قدروقیمت متعین کی۔ الغرض انھوں نے ہیرو، تبدیلی قالب اور طلسم کے عنوانات کے تحت اُردو کی مختلف نثری داستانوں میں فکری رویوں کو احساس اور جذبے کی سطح پر سمجھنے کی کامیاب کاوش کی ہے اور ان کے ہاں مذکورہ بالا تین تصورات کے حوالے تفکر وتعقل کا پورا مربوط نظام قائم ہے۔ انھوں نے ذہن وشعور کی ترجمانی سے داستانوں میں فلسفیانہ رنگ و آہنگ کچھ اس طرح سے نمایاں کردیا ہے کہ ان سے زندگی، انسان اور کائنات کے فلسفے کے بنیادی اصول اخذ کیے جاسکتے ہیں۔

اُردو کی نثری داستانوں کی تنقید میں سہیل احمد خاں کا اختصاص یہ ہے کہ انھوں نے ماضی کی اس صنفِ ادب کو موجودہ ادبی مذاق سے مطابقت کرواتے ہوئے منفی رویوں کی حوصلہ شکنی کی، تنقیدی بیانیے میں داستانی ادب کی درست سمت متعین کی، عالمی ادب سے رجوع کرتے ہوئے تنقید کو نئی جہات سے آشنا کروایا اور فکر انگیز خیالات سے اپنی ثقافتی شناختوں کی طرف مراجعت کی۔ مزید برآں انھوں نے جہاں قدیم ادب کی درست تفہیم اور استفادے کے لیے نئے در وا کیے ہیں وہیں داستانی ادب کی تنقید میں گہرائی، بلند پروازی اور ہمہ گیری بھی پیدا کی ہے۔ انھوں نے اُردو داستانی تنقید میں اسلوب، سماجی مطالعہ، منظر کشی اور کردار نگاری جیسے روایتی پہلوؤں کے حدود و قیود سے نکل کر تخلیقی بصارت اور اعلیٰ شعور سے لامحدود، پہلو دار اور رنگا رنگ منفرد نظریات پیش کرتے ہوئے اُردو داستانی ادب کو احساس کم تری سے نکال کر بہترین ادبِ عالیہ بنایا ہے۔ سہیل احمد خاں داستانی ادب کے تخلیقی نقاد تھے، انھوں نے جن تنقیدی خیالات کو بیان کیا ہے اُردو داستانی ادب کی تنقید ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مذہب، تاریخ، روحانیت، تہذیب اور نفس انسانی پر جن تنقیدی افکار کو پیش کرنے کا ان کو ملکہ حاصل ہے وہ درحقیقت ان کے زرخیز ذہن، عقلی شعور اور مشرقی مزاج کا نتیجہ ہے اور اُردو داستانی ادب کی تنقید میں ان سے قبل اتنی خیال افروزی کا مظاہرہ نہیں ملتا۔ داستانی ادب کی تنقید میں پہلی بار

علامتی واستعاراتی سطح پر ایسا مقالہ ضبط تحریر میں لایا گیا جو ان کی ذات سے شروع ہو کر متاخرین کے لیے مشعل راہ بن گیا، بلاشبہ وہ اپنے انداز کے خود موجد ہیں۔ اس میں ہر گز دورائے نہیں ہے:

> ”ڈاکٹر سہیل احمد خاں کا نقطہ نظر اپنے تمام پیشرو نقاد ان فن کے نقاد نظر سے مختلف ہے۔ اُردو کی داستانوں میں تصوف کے اسرار و رموز کی نشان دہی کی ہے۔ ان کا ذوقِ تحقیق انھیں داستانوں کے ان گوشوں میں لے گیا ہے، جہاں نیکی و بدی کی رزم آرائیوں میں نفس انسانی کے دو متضاد عناصر ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہیں۔ ڈاکٹر سہیل احمد خاں کا فکر انگیز مقالہ اپنے پڑھنے والوں کو داستانی ادب کی نئی جہتوں سے آشنا کرتا ہے۔“(۶)

سہیل احمد خاں نے بالخصوص **آرائشِ محفل** اور بالعموم **داستانِ امیر حمزہ**، **فسانہ عجائب** اور **مذہبِ عشق** میں کائنات، انسان اور زندگی کو بہ یک وقت ایک نقاد اور تخلیق کار کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ ایک تخلیق کار کائنات، انسان اور زندگی کے تین عناصر میں پھیلے ہوئے آفاق کو ایک نقطے کی صورت میں ڈھال دیتا ہے جب کہ نقاد فکر اور بصیرت سے اس نقطے کی حقیقت جان کر اس میں پوشیدہ وسعتوں کو پالیتا ہے۔ سہیل احمد خاں نے ایک تخلیق کار کے مانند داستانی ادب میں ان تینوں عناصر کو تربیت نفس کے مرکزی نقطے پر مرکوز کرتے ہیں اور ایک نقاد کی طرح داستانوں میں چھپی ہوئی بصیرت وبصارت کی گہرائیوں میں غواصی کرتے ہوئے اس میں پوشیدہ رمزوں سے روشناس ہوتے ہیں۔ انھوں نے پرانے تعصبات کا خاتمہ کرتے ہوئے ایک نئے منطقی اور سائنسی زاویے سے داستانوں پر روشنی ڈالی ہے اور ان خیالی اور مبالغہ آمیز تصویروں میں زندگی کی بڑی سچائیاں دکھائی ہیں۔ مثال کے طور پر انھوں نے ”قلب ماہیت“ کے حوالے سے نہ صرف ماضی اور عصر حاضر کے انسان کی اقدار، اوصاف اور حسن عمل کا جائزہ لیا ہے بل کہ داستانی ادب کو کافکا، آئنسکو اور انتظار حسین کے علامتی فن پاروں سے جوڑ کر انسان کے زوال اور تشخص کے تناظر میں فکر انگیز نتائج نکالے ہیں۔ علامتوں کے حوالے سے شمیم احمد نے یہ بجا کہا ہے:

> ”جن ذہنوں میں تخیل کی قوت سب سے زیادہ ہوتی ہے وہی تخلیقی کارنامے انجام دیتے ہیں اور جن تحریروں میں قوت متخیلہ رنگ بھرتی ہے ان میں رموز و کنایات، علامات اور سمبلز تخلیق ہوتے ہیں۔ بڑی علامتیں اس وقت تخلیق ہوتی ہیں جب دماغوں میں اعلیٰ ترین تخیل کروٹیں لے رہا ہو۔“(۷)

سہیل احمد خاں وسیع المطالعہ نقاد تھے جو داستانی حوالے میں تخلیق وتخیلاتی اور علامتی راہ داریوں سے رمز آشنا تھے، داستانی ادب کی تنقید کے وہ معمار ہیں جنھوں نے اپنی فہم وفراست سے داستانوں کی وسیع، پہلودار اور رنگین دُنیا میں زمینی حقیقتوں، ادبی وعلمی حقائق اور روحانی دانش کو ڈھونڈا ہے اور زندگی کے بنیادی، آفاقی اور کائناتی موضوعات کو اپنے دامن میں جگہ دے کر نہ صرف داستانی تنقید کو کثیر الجہات بنایا

ہے بل کہ یہ بھی ثابت کیا ہے کہ یہ موضوعات اپنی ہمہ گیریت اور جامعیت کے باعث اُردو و عالمی ادب اور جدید و قدیم ادب میں تاریخی اور جغرافیائی پابندیوں سے آزاد ہیں۔

سہیل احمد خاں صاحب فکر نقاد تھے۔ وہ اُردو داستانی ادب کی متنوع جہات سے بہ خوبی آگاہ تھے نیز انھیں اس بات کا بھی اندازہ تھا کہ ہر داستان گو شعوری یا لاشعوری طور پر اپنے ثقافتی و روحانی میلانات اور ادبی و جمالیاتی احساسات سمیت داستانوں میں سانس لے رہا ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ داستانوں کی وسعت کو جانچتے اور فن کار کی ذات کے نہاں خانوں کو بھی پرکھتے ہیں یوں وہ صحیح معنوں میں تنقید کے وسیلے سے تہذیبی منطقوں سے گزرتے ہوئے داستانوں میں علامت اور تمثیل کے عالم سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ انھوں نے تشریحی طریقہ تنقید سے کام لیتے ہوئے مختلف واقعات میں علامتی و استعاراتی مفاہیم کو بہتر انداز سے پیش کیا اور مختلف حالتوں میں باطنی و خارجی انسانی وارداتوں و کیفیتوں کا تنقیدی مطالعہ، عالمانہ شعور اور منطقی استدلال سے کرتے ہوئے اس داستانی سرمائے کو از سر نو حیات اور قوت نمو دی ہے جو اہل ادب کی بے اعتنائی کا شکار ہو کر کرم خوردہ ہو گیا تھا۔

سہیل احمد خاں نے تقابلی طریقہ تنقید کا بھی بھرپور استعمال کیا ہے۔ مثلاً ہیرو کے حوالے سے مختلف تہذیبوں کے تقابلی مطالعات سے انھوں نے مختلف زمانی و مکانی ادوار میں انسانی سوچ کے اجتماعی لاشعور کے بہترین اظہار کے پس پردہ انسان کے باطن کے پیکر میں جذباتی و فکری صداقتوں اور انسانی سوچ اور رویوں کو ایک سے زیادہ رُخ سے دیکھا ہے۔ غرض یہ کہ انھوں نے داستان گوؤں کے شعور و لاشعور میں انسانی ذہن کے زرخیز تجربات اور قصوں میں تخلیقی عمل کے متعدد اسباب و عوامل کے تجزیے سے اپنے نظریات کو تشکیل دیتے ہوئے داستانی ادب کی تنقید کو ایک نئے زاویے سے متعارف کروانے کی سبیل نکالی ہے۔ وہ داستانوں کے بالائی خول اُتار کر ان کے قصوں کی روح تک پہنچنے کا ہنر جانتے تھے۔

سہیل احمد خاں کے تنقیدی خیالات اس امر کے غماز ہیں کہ اُردو داستانی ادب کی حیثیت محض ادبی ہی نہیں بل کہ اس میں تلازموں اور استعاروں کے ایسے سرچشمے رواں ہیں جن کی علامتی کائنات میں انسانی طرز زیست کے آفاقی اور ہمہ گیر نظریات کا ایک واضح فکری نظام ہے، جو ہماری انفرادی و اجتماعی مخصوص مشرقی ذہنیت کا عکاس ہے۔ انھوں نے فنا و بقا کے مراحل، انسانی تشخص کے زوال کا المیہ، تربیت نفس کے ذریعے کاملیت کی تلاش، طلسماتی تخیل اور انسانی باطنی وارداتوں کے حوالے سے بڑی عمدہ بحث کی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ داستانی ادب کی تنقید میں علامتی حوالوں سے **داستانوں کی علامتی کائنات**

ایک نشانِ راہ کا درجہ رکھتی ہے جس کو دیکھ کر بلا پس و پیش کہا جا سکتا ہے کہ اصناف ادب میں داستان ہی ایسی علامتی تخلیق ہے جس میں تخیل بڑی تہ دار اور وسیع امکانات کی حامل علامتوں اور تمثیلوں میں موجود ہے۔ یہاں پریوں اور دیوؤں کے قصوں میں ہماری صدیوں کی تاریخ جلوہ گر ہے اور یہ ہزاروں کرداروں کے تمثیلی پیکروں کا ایسا نگار خانہ ہے جس میں ہم اپنے اجتماعی لاشعور کو تخلیقی صلاحیتوں کی کار فرمائیوں سے مالامال دیکھ سکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) سہیل احمد، مرتب ؛داستاں در داستاں،(لاہور: قوسین، طبع اول،۱۹۸۷ء)،۱۰۔

(۲) سہیل احمد، داستانوں کی علامتی کائنات، (لاہور: کلیہ علومِ اسلامیہ و شرقیہ پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۸۷ء)، ۳۶۔۳۸۔

(۳) ایضاً،۵۰۔

(۴) فاروقی، شمس الرحمن، ساحری، شاہی، صاحب قرانی۔داستان امیر حمزہ کا مطالعہ (جلد اول: نظری مباحث)،(نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان،۱۹۹۹ء)،۵۳۰۔

(۵) سہیل احمد، داستانوں کی علامتی کائنات،۹۶۔

(۶) میرزا ادیب، اذکار و افکار، مشمولہ آغا صاحب، مرتب: ڈاکٹر سید شبیہ الحسن، (لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء)،۲۰۱۔

(۷) شمیم احمد،میری نظر میں،(کوئٹہ: زمرد پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء)،۱۶۷۔

Bibliography

- Mirza Adeeb, Azkār-o-Afkār, (Incl.)Aghā Sāhib, (Copml.): Dr. Sayyid Shabīhul Hassan, (Lahore: Al Hassan Publications, 1998).
- Shamasur Rehman Faruqi, *Sāḥiri Shāḥi Saḥib Qirāni – Dāsṭān-e Amīr Hamza Ka Mu'tala*, Vol.1 Naẕri Mabāḥis, (New Dehli: Qaumi Council for Farogh-e Urdu Zaban, 1999).
- Shamīm Ahmed, *Merī Naẕar Mein*, (Quetta: Zumurd Publications, 1992).
- Sohail Ahmed, *Dāsṭānon kī 'Alāmṭī Kaināṭ*, (Lahore: Kulliyá 'UlūmeIslamia o SharqiaPunjāb University, 1987).
- Sohail Ahmed, (Compl.); *Dāsṭān dar Dāsṭān*, (Lahore: Qausain, 1st Edition, 1987).

❖❖❖